افغان المیہ: مسلم دنیا اور امریکا

عبدالباسط ○

۱۹ دسمبر ۲۰۲۱ء کو اسلام آباد میں 'اسلامی تعاون تنظیم' (OIC) کا افغانستان میں موسم کی شدت، گھروں کی تباہ حالی، قحط کی کیفیت اور بیماریوں کے حملے جیسی صورتِ حال کے پیش نظر وزائے خارجہ کا غیرمعمولی اجلاس ہوا۔ اس طرح کے ہنگامی اجلاسوں میں تمام وزرائے خارجہ شرکت نہیں کر پاتے، لیکن اس اجلاس میں ۲۲ وزرائے خارجہ نے شرکت کی جو ایک مناسب تعداد تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے وزرائے مملکت بھی شامل تھے۔ مجموعی طور پر یہ ایک اچھا اور کامیاب اجلاس رہا۔

اجلاس میں بہت سے اہم نکات زیربحث آئے اور متوازی اجلاس بھی منعقد ہوئے۔ اجلاس کے بعد افغانستان پر ایک قرارداد منظور ہوئی اور اسلام آباد ڈیکلریشن بھی جاری ہوا۔

افغانستان میں ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ افغان اس وقت قحط کا شکار ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء کی شدید قلت ہے۔ اس انسانی بحران کو حل کرنے کے لیے یہ اجلاس بلایا گیا تھا۔ اس طرح یہ کانفرنس بنیادی طور پر ایک نکاتی ایجنڈا پر مبنی تھی۔

اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی اور اسلام آباد ڈیکلریشن جاری ہوا ہے، اس کے دو حصّے ہیں۔ عام طور پر اس قسم کی قراردادوں کے دو حصّے ہوتے ہیں: ایک ابتدائیہ (Preamble) اور دوسرا عملی حصّہ (Operative Part)۔ ابتدائیے میں سابقہ قراردادوں اور مختلف حوالوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عملی حصّہ میں لائحہ عمل طے کیا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کن چیزوں پر عمل درآمد ہوگا۔ کسی بھی قرارداد کا یہی بنیادی اور جوہری (substantive) حصّہ ہوتا ہے۔

○ تجزیہ نگار اور سابق ہائی کمشنر پاکستان، اسلام آباد

اس کانفرنس میں افغان طالبان حکومت کا وفد بھی شریک تھا اور قائم مقام وزیر خارجہ امیر متقی نے اس وفد کی قیادت کی۔ انھوں نے اس اجلاس میں ایک گھنٹے کی مفصل تقریر کی اور یہ بتایا کہ ہمارا کیا منصوبہ ہے اور ہم کس طرح آگے بڑھیں گے؟

قرارداد کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں صرف افغانستان کا نام لیا گیا ہے۔ کہیں بھی 'امارت اسلامیہ' یا 'اسلامی جمہوری افغانستان' کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ او آئی سی نے حددرجہ محتاط رویہ اپنایا ہے، اور او آئی سی میں ابھی تک طالبان حکومت یا امریکی پشت پناہی میں ختم ہونے والی حکومت کے بعد کی صورتِ حال کو تسلیم کرنے پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جو طالبان حکومت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ خاص طور پر تاجکستان جہاں اب تک افغان طالبان کی اپوزیشن کے بہت سے لوگ جن کا سابق حکومت سے تعلق تھا، وہاں موجود ہیں۔ طالبان افغانستان کو 'امارت اسلامیہ افغانستان' کہتے ہیں، جب کہ سابق حکومت کے لوگ اپنی حکومت کو 'اسلامی جمہوری افغانستان' کہتے تھے۔ اس لیے مسلم وزرائے خارجہ نے بیچ کا راستہ نکالا اور صرف افغانستان کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

قرارداد میں اقوام متحدہ سلامتی کونسل کی قرارداد ۲۵۹۳ جو ۳۰/اگست ۲۰۲۱ء میں منظور ہوئی تھی، کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس قرارداد کی یہ ایک اہم بات ہے کہ اس میں سلامتی کونسل کی اس قرارداد کا کوئی حوالہ نظر نہیں آتا، جب کہ یہ سلامتی کونسل کی افغانستان پر آخری قرارداد تھی۔ یاد رہے اس وقت بھارت سلامتی کونسل کا صدر تھا اور اس نے کوشش کر کے وہ قرارداد منظور کروائی تھی۔ تاہم، اس میں طالبان کا نام لیے بغیر ان کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ ''وہاں وسیع حکومت (Inclusive) ہونی چاہیے۔ حکومت میں دیگر علاقائی قومیتوں کی نمایندگی بھی ہونی چاہیے''۔

اسی طرح اس قرارداد میں کہیں بھی 'افغان حکومت' کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ صرف ایک پیراگراف میں 'افغان اتھارٹیز' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بھی اس قرارداد کا ایک دلچسپ پہلو ہے۔

کانفرنس میں جو اُمور طے پائے ہیں، ان میں افغانستان کے لیے ایک 'ہیومن ٹیرین ٹرسٹ فنڈ' اسلامک ڈویلپمنٹ بنک (IDB) میں قائم کیا گیا ہے۔ سعودی عرب نے اس فنڈ کے لیے ایک ارب ریال کا اعلان کیا ہے۔ پاکستان ۳۰ ملین ڈالر کی امداد پہلے ہی دے چکا ہے۔

اس کے علاوہ کسی اور مسلم ملک نے اس فنڈ میں مالی امداد کے لیے کوئی اعلان نہیں کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ او آئی سی کے ممبر کس طرح سے اس فنڈ میں حصّہ ڈالتے ہیں؟

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''افغانستان کے منجمد اثاثوں کو بحال کیا جائے''۔ اس قرارداد میں اس بات کا احساس بھی موجود ہے کہ صرف 'انسانی ہمدردی' کے تذکرے اور معاونت سے کام نہیں چلے گا بلکہ جو معاشی تباہ حالی (economic meltdown) روز افزوں ہے، اس کا سدباب بھی کرنا ہوگا۔ توقع کی جارہی ہے کہ اگلے دو ماہ میں انسانی بحران کی صورتِ حال کچھ بہتر ہوجائے گی۔ لیکن جب تک معاشی سرگرمیاں شروع نہیں ہوتی ہیں، یہ معاشی بحران جاری رہے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ افغانستان کا نظامِ بنکاری اور فنانس کا نظام جو بالکل بیٹھ چکا ہے اس کو بحال کیا جائے۔ اس کے لیے مغربی ممالک اور امریکا کی معاونت بہت ضروری ہے۔ اس اجلاس میں امریکا اور یورپی ممالک کے نمایندے بھی موجود تھے۔

او آئی سی نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ 'رابطہ گروپ' کے بجائے افغانستان کا 'خصوصی نمایندہ' مقرر کیا جائے۔ وہ نمایندہ او آئی سی کے ساتھ مل کر افغان اُمور کو دیکھے، اور اس مقصد کے لیے او آئی سی کے موجودہ سیکرٹری جنرل حسین براہیم طٰہٰ کو خصوصی نمایندہ مقرر کیا گیا ہے۔ انھیں او آئی سی کے اگلے اجلاس میں جو مارچ ۲۰۲۲ء میں اسلام آباد میں ہونا ہے، اس کی رپورٹ پیش کرنا ہے۔

یہ تمام باتیں اہم اور مفید ہیں، لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ان پر پیش رفت کس طرح سے ہوتی ہے؟

اس کانفرنس میں افغانستان کا وفد تو شامل تھا لیکن گروپ فوٹو کے موقعے پر اس وفد کے نمایندے کو شامل نہیں کیا گیا۔ ایسی چھوٹی باتیں بعض ممالک کے لیے بہت حساس بن جاتی ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی پیش نظر رہے کہ نئی دہلی میں تیسرا سالانہ سنٹرل ایشیاری پبلکس کا اجلاس ہوا جس میں پانچ ممالک شامل ہیں۔ اس اجلاس کے بعد بھی ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا۔ اس میں سلامتی کونسل کی قرارداد ۲۵۹۳ کا باقاعدہ ذکر ہوا اور 'افغانستان میں وسیع حکومت' پر زور دیا گیا۔ 'دہشت گردی' کے حوالے سے بھی بات کی گئی۔

بلاشبہہ او آئی سی کی قرارداد میں بھی دہشت گردی کی بات ہوئی ہے اور داعش کا ذکر ہوا

ہے، آئی ایس خراسان، ٹی ٹی پی، القاعدہ اور ای ٹی آئی ایم کا تذکرہ ہے، لیکن ازبکستان اسلامی موومنٹ کا نام قرارداد میں نظر نہیں آیا۔ جو قرارداد دہلی میں جاری ہوئی، اس میں افغانستان پر صرف دو پیراگراف ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ ''افغانستان سے دہشت گردی نہیں ہونی چاہیے''۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی کہی گئی کہ ''چاہ بہار بندرگاہ میں بہشتی ٹرمینل جو بھارت نے بنایا ہے اس کو بھی افغانستان میں انسانی بنیادوں پر مدد کے لیے استعمال کیا جائے گا اور وسطی ایشیائی ریاستوں سے تجارت کو بھی اس بندرگاہ کے ذریعے فروغ دیا جائے گا''۔

اسلام آباد کانفرنس میں فلسطین پر الگ سے اعلامیہ جاری کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس موقع پر اس اعلامیے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ بلاشبہہ فلسطین پر ہمارا ایک اصولی موقف ہے۔ تاہم، یہ اجلاس تو صرف افغانستان کی صورتِ حال کے لیے مختص تھا تو فلسطین پر اعلامیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ پھر اگر فلسطین کو اعلامیہ میں شامل کیا جاسکتا تھا تو کشمیر کا بھی اعلامیہ میں تذکرہ کیا جانا چاہیے تھا۔ سوال یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر وزارائے خارجہ نے یہ گریز پائی کیوں اختیار کی؟ معاملہ یہ ہے کہ کچھ طاقت ور مسلم ممالک نہیں چاہتے کہ بھارت کے خلاف کوئی پوزیشن لی جائے۔ بلاشبہہ اس موقع پر اس اعلامیے کی ضرورت نہیں تھی۔ فلسطین پر ہمارا واضح اور پختہ اصولی موقف ہے۔ خیال رہے کہ کشمیر پر او آئی سی میں اختلافات کو اس اعلامیہ نے مزید نمایاں کر کے دشمن ملک کے لیے سہولت پیدا کی ہے۔

او آئی سی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم عمران خان نے کہا کہ ''افغانستان میں پیدا ہونے والے انسانی بحران کے پیش نظر امریکا، طالبان کے معاملے کو سیاست سے الگ کر کے دیکھے''۔

امر واقعہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں معاملات کو اس طرح سے الگ نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ انسانی بحران اور حکومت کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ لوگ انسانی بحران کو امکانات اور مفادات کے ایک موقعے کے طور پر لیتے ہیں اور اس میں اپنے لیے سیاسی، معاشی اور اسٹرے ٹیجک مواقع تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقت امریکا بھی یہی کر رہا ہے۔ وہ طالبان کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے افغانستان سے نکل گیا۔ ماضی میں بھی کچھ اسی طرح ہوا۔ دسمبر ۱۹۹۱ء میں

جب سوویت یونین منہدم ہوا، تو امریکا اس خطے سے ہٹ گیا اور پاکستان کو مسائل کا سامنا کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا کہ وہ ان معاملات کا خود سامنا کرے، خواہ مہاجرین کا معاملہ ہو، یا منشیات کا معاملہ، یا دہشت گردی کا معاملہ۔

آج امریکا نے افغانستان کے فنڈز روکے ہوئے ہیں اور افغانستان کو تسلیم نہیں کرتا تو اس طرح ایک طرف وہ طالبان پر دباؤ بڑھانا چاہتا ہے، اور دوسری طرف وہ اس معاملے میں پاکستان کو بھی دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے۔ سچی بات ہے کہ صرف پاکستان کو ہی نہیں بلکہ چین اور روس کو بھی دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ اگر افغانستان میں صورتِ حال بگڑتی ہے تو لامحالہ اس کے اثرات پاکستان پر بھی آئیں گے۔ یوں اس خطے کو مسلسل جنگی دباؤ سے دوچار کرکے، معاشی ترقی اور امن کا راستہ روکنا امریکی مفادات کا ہدف دکھائی دیتا ہے۔

طالبان کی کوشش ہے کہ اس صورتِ حال میں ان کو تسلیم کرلیا جائے۔ مغربی دُنیا اس بات کو تو تسلیم کرتی ہے کہ افغانستان میں انسانی بحران ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہاں انسانی حقوق کا مسئلہ بنا کر وہ گریز کا راستہ بھی اختیار کرتی ہے۔

اب اگر او آئی سی سے وابستہ ممالک کو ہی دیکھا جائے تو وہاں کون سی جمہوریت ہے، وہاں کون سی تمام عناصر پر مشتمل مشترکہ حکومتیں ہیں یا وہاں پر مغربی ''تصورات و معیارات'' کے مطابق خواتین کے حقوق کی کون سی پاس داری کی جاتی ہے؟

اسی طرح طالبان کے آنے سے پہلے افغانستان میں کون سی جمہوریت تھی؟ انتخابات میں صرف ۲۰ فی صد ووٹ ڈالے جاتے تھے اور ان میں سے ۱۰ فی صد اشرف غنی کو اور ۱۰ فی صد عبداللہ عبداللہ کو مل جاتے تھے۔ ہر الیکشن میں دھاندلی ہوتی تھی۔ ایک وقت تو ایسا بھی تھا، جب ملک کے دو صدر تھے۔

دُنیا کو یہ سمجھنا چاہیے کہ طالبان کے لیے وسیع حکومت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رشید دوستم، یونس قانونی اور امر صالح وغیرہ کو وہ اپنی حکومت میں شامل کرلیں گے۔ یہ بات تو کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ تاہم، طالبان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حکومت میں مختلف علاقائی قومیّتوں اور طبقوں کو نمایندگی دیں۔ مثال کے طور پر وہ تاجک اور ہزارہ قومیّتوں کے نمایندوں کو حکومت میں

شامل کریں۔ خواہ ان کی معروف قیادت کو نہ لیں، لیکن ٹیکنو کریٹس کو اپنے ساتھ شامل کریں تاکہ ان کی صلاحیتوں سے کچھ فائدہ بھی اُٹھا سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ عبداللہ عبداللہ کو کچھ پیش کش کرتے ہیں تو کیا وہ طالبان کے ساتھ کام کرنا چاہیں گے؟ اگر وہ ان جیسے لوگوں کو شامل کریں گے، تو معاملہ پھر وہیں آ کر رُک جائے گا اور حکومت چل نہیں پائے گی۔ اسی طرح طالبان اس پوزیشن میں بھی نہیں ہیں کہ وہ الیکشن کروا سکیں۔ اس لیے کہ طالبان فی الحال ایک سیاسی جماعت نہیں ہیں، لیکن جب تک یہ عبوری نظام موجود ہے یا ''لویہ جرگہ'' نہیں ہوجاتا، اس وقت تک طالبان کو دوسری قومیّتوں کے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا ہوگا۔ بلاشبہہ طالبان قیادت میں پشتون کی اکثریت ہے اور حکومت بھی زیادہ تر پشتون کی نمایندگی کر رہی ہے، لہٰذا طالبان کو اس سلسلے میں لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا اور کچھ لچک دکھانا ہوگی۔

اسی طرح خواتین کا مسئلہ مغربی دُنیا نے اپنے تصورات کے مطابق بہت مبالغہ آمیز طریقے سے اُٹھا رکھا ہے، مگر بہرحال افغان معاشرت میں خواتین کی تعلیم اور صحت کے لیے مزید مواقع پیدا کرنے ہوں گے۔ دین اسلام میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو لکھنے، پڑھنے اور کام کرنے کا حق ہے، البتہ طریق کار مختلف ہوسکتا ہے۔ تاہم، افغانستان میں لڑکیاں اسکول اور کالج جا رہی ہیں، اور اس چیز کو بے جا طور پر نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ بہرحال ان معاملات کو آگے بڑھنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

'انسانی حقوق اور وسیع تر حکومت کی باتیں' ایک مخصوص سیاسی ایجنڈے کے تحت کی جا رہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ امریکا، بحران کے پیش نظر انسانی بنیادوں پر امداد کو سیاست سے جدا رکھے گا۔ وہ پاکستان، چین اور طالبان کو بھی دباؤ میں رکھے گا۔ جو لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں کہ ''انسانی بحران کے پیش نظر انسانی بنیادوں پر بین الاقوامی امداد کو سیاست سے الگ رکھا جائے''، وہ یہ بات ایک خیالی دُنیا میں کرتے ہیں، ایسا ہو نہیں سکتا۔

امریکا اس خطے سے عسکری طور پر گیا ہے، مگر اپنے معاشی، عسکری اور تزویراتی مفادات کے لیے وہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور اُٹھائے رکھے گا۔ جس میں ہمارے لیے دانش مندی سے راستہ بنانے کی ضرورت ہے۔ محض بیانات کے زور پر ٹکرانا مناسب نہیں ہوگا۔